السنة کے مستقل قارئین جانتے ہیں کہ باطل عقائد کے خلاف قرآن وسنت کے دلائل سے مزین و مبرہن ردّ ''معرکہ حق و باطل'' کے نام سے قسط وار سلسلہ جاری ہے۔اس کی ایک اور قسط پیشِ خدمت ہے۔اسے غور سے پڑھیں اور حق و باطل میں خود فرق کریں! حافظ ابو یحییٰ نور پوری

عقیدہ نمبر ⑪ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أنا أوّلهم خروجا ، وأنا قائدهم إذا وفدوا ، وأنا خطيبهم إذا أنصتوا ، وأنا مشفعهم إذا حبسوا ، وأنا مبشّرهم إذا أيسوا ، الكرامة والمفاتيح يومئذ بيدي .** ''میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا۔ میں لوگوں کا پیشوا ہوں گا جب وہ حاضر بارگاہ ہوں گے۔ میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ دم بخود ہوں گے۔ میں ان کا شفیع ہوں گا جب وہ محبوس ہوں گے۔ میں خوشخبری دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہوں گے۔عزت اور کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔۔۔''

(مسند الدارمی : ۲٦/۱، ۲۷، سنن الترمذی : ۳٦۱۰، وقال : حسن غريب، دلائل النبوة للبیهقی : ٤٨٤/٥)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔اس میں لیث بن ابی سلیم راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''مختلط'' ہے۔

اس ''ضعیف'' روایت کو بنیاد بنا کر ''اعلیٰ حضرت'' احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں :

''والحمد للہ رب العالمین! شکر اس کریم کا جس نے عزتِ دنیا، اس دن کے کاموں کا اختیار پیارے رؤوف و رحیم کے ہاتھ میں رکھا، صلی اللہ علیہ وسلم۔''(الامن والعلیٰ از احمد رضا : ص ۷۹)

کیسی دلیل ہے اور کیسا عقیدہ ہے! جو لوگ صحیح حدیث سے ثابت توحید اسماء و صفات کو تسلیم نہیں کرتے ، وہ ''ضعیف'' روایات سے عقیدہ بنا کر اس کا پرچار کرتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ⑫ : سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی اکرم ﷺ کی والدہ سے خازنِ جنت نے بعد ولادت نبی اکرم ﷺ کو اپنے پروں کے اندر لے کر گوشِ اقدس میں عرض کی: **معک مفاتیح النصر ، قد ألبّ الخوف والرعب ، لا یسمع أحد بذکرک إلّا وجل فؤاده وخاف قبله ، وإن لم یرک یا خلیفة اللّٰه !** ''آپ کے ساتھ نصرت کی کنجیاں ہیں۔ رعب و دبدبہ آپ کو پہنچایا گیا ہے۔ جو آپ کا چرچا سنے گا اس کا دل ڈر جائے گا اور جگر کانپ اٹھے گا اگرچہ آپ کو نہ دیکھا ہوا۔ اے اللہ کے نائب!''(الامن والعلٰی از احمد رضا خان : ص ۷۸)

تبصرہ : یہ بے سند و بے ثبوت روایت ہے۔ بسیار کوشش کے باوجود اس کی سند نہیں مل سکی، اسی لیے یہ بریلوی حضرات کے ماتھے کا جھومر بن گئی ہے۔اس بے سرو پا روایت پر ''اعلٰی حضرت'' نے **''حضور اللہ تعالٰی کے نائب ہیں''** کا باب قائم کرتے ہوئے اس سے اپنا عقیدہ یوں ثابت کیا ہے: ''ایمان کی آنکھ میں نور ہو تو ایک اللہ کا نائب ہی کہنے میں سب کچھ سمجھ آ گیا۔ اللہ کا نائب ایسا ہی تو چاہیے کہ جس کا نام محمد ہے۔ وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ ایک دنیا کے کہنے کا نائب کہیں کا صوبہ اس کی طرف سے وہاں کے سیاہ و سپید کا مختار ہوتا ہے۔مگر اللہ کے نائب کسی پتھر کا نائب ہے۔ وما قدروا اللّٰه حقّ قدره بے دولتوں نے اللہ ہی کی قدر نہ جانی۔لا واللّٰه ! اللہ کا نائب اللہ کی طرف سے اللہ کے ملک میں تصرّفِ تام کا اختیار رکھتا ہے، جب تو اللہ کا نائب کہلایا، ﷺ۔''

(الامن والعلٰی از احمد رضا خان بریلوی : ص ۷۸)

معلوم نہیں کہ ان لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کو اللہ کہنے میں کیا عار ہے؟ سارے خدائی اختیار نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی میں مانتے ہیں۔ خالق اور مخلوق میں فرق نہیں کرتے۔ ''اعلٰی حضرت'' صاحب نے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں اتنا مبالغہ آمیز کلام کر دیا ہے، لیکن کس دلیل کی بنیاد پر؟ کیا اہل حق کے دلائل سند سے عاری ہوتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ⑬ : ایک اونٹ نبی اکرم ﷺ کے پاس آ کر اپنے مالک کی شکایت کرتا ہے۔۔۔

تبصرہ : یہ روایت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۰۔۷۷۴ھ) نے البداية والنهاية (١٥٨/٦) میں ذکر کی ہے۔اس کی سند یوں ہے :

قال أبو محمّد عبد اللّٰه بن حامد الفقيه فی كتابه دلائل النبوّة : أبو علی الفارسی ، حدّثنا أبو سعيد عن عبد العزيز بن شهلان الفواس ، حدّثنا أبو عمرو عثمان بن محمّد بن خالد الراسبی : حدّثنا عبد الرحمٰن بن علی البصری : حدّثنا سلامة بن سعيد بن زياد بن أبی هند الداری : حدّثنا أبی عن أبيه عن جدّه: حدّثنا تيم بن أوس الداری ، قال : ....

یہ جھوٹ کا پلندا ہے۔اس سند کے تقریبا سارے راوی ''مجہول'' ہیں۔سلامہ بن سعید کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔اسی طرح سعید بن زیاد کی ایک روایت ذکر کرنے کے بعد امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **لا أدری البليّة ممّن هی ؟ منه أو من أبيه أو جدّه ...** ''مجھے معلوم نہیں کہ یہ جھوٹ کس کی طرف سے ہے؟ اس سعید بن زیاد کی طرف سے یا اس کے باپ یا دادے کی طرف سے۔۔۔''(المجروحين لابن حبان : ٣٢٧/١)

سلامہ بن سعید سے نیچے کے تمام راویوں کے بھی حالاتِ زندگی اور توثیق نہیں مل سکی۔''اعلیٰ حضرت'' تو فوت ہو گئے ہیں۔اب ان کے سارے حواری سر جوڑ کر بیٹھیں اور ہمارے سامنے اس روایت کے راویوں کا تعارف وتوثیق پیش کر دیں۔

تنبیہ : یہ روایت حافظ منذری رحمہ اللہ نے سنن ابن ماجہ کے حوالے سے ذکر کی ہے لیکن یہ وہم ہے۔سنن ابن ماجہ میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔

جس روایت کے سارے راوی ''مجہول'' ہیں ، اس کو عقائد کے ثبوت میں بطورِ دلیل پیش کرتے ہوئے''اعلیٰ حضرت'' بریلوی صاحب لکھتے ہیں :

''یہ حدیث نفیس کہ ایک اعلیٰ اعلامِ نبوت و معجزات جلیلہ حضرت رسالت علیہ وعلی آلہ افضل الصلاۃ والتحیۃ سے تھی۔ بتمامہ ذکر کرنی مناسب سمجھی۔ یہاں موضع استناد وہ پیاری پیاری استناد وہ پیاری پیاری اسناد ہے کہ جو ہماری پناہ لے ،اللہ عزوجل اسے مان لیتا ہے

اور جو ہم سے التجا کرے ، نامراد نہیں رہتا۔ الحمد للہ رب العالمین اور خدا جانے دافع البلاء کس شئے کا نام ہے؟'' (الامن والعلیٰ از احمد رضا خان بریلوی : ص ۹۷)

عقیدہ نمبر ⑭ : سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من استعملناه على عمل ، فرزقناه رزقا ، فما أخذ بعد ذلك فهو غلول .** ''جس شخص کو ہم کسی کام پر عامل مقرر کریں، پھر اس کو رزق (معاوضہ) دے دیں، اس کے بعد وہ جو کچھ لے گا ، وہ خیانت ہو گی۔'' (سنن ابی داوٗد : ۲۹۴۳، المستدرك على الصحيحين للحاكم : ۴۰۶/۱، ح : ۱۴۷۳، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۳۶۹) نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ نے بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس حدیث میں معاوضے اور مزدوری کو رزق کہا گیا ہے۔ اس بات کو ''اعلیٰ حضرت'' نے اپنی دلیل بناتے ہوئے یہ باب قائم کیا کہ: **''رسول اللہ ﷺ نے رزق دیا۔''**

(الامن والعلیٰ از احمد رضا خان بریلوی : ص ۱۱۸)

جناب کے فہم اور استنباط کو دیکھیں کہ کیسی اچھوتی دلیل نکالی ہے۔ اسی لفظ رزق کو عربی لغت سے ملاحظہ فرمائیں اور ''اعلیٰ حضرت'' کی ''فہم و فراست'' کو داد دیں!

ويقال : رزق الطائر فرخه رزقا ، كسب له ما يغذوه ، وكلّ من أجريت عليه جرايته فقد رزقته ، يقال : رزق الأمير جنده .....

''کہا جاتا ہے کہ پرندے نے اپنے چوزے کو رزق دیا یعنی اس کے لیے اس کی غذا اکٹھی کر کے لایا۔ جس شخص کو بھی آپ اس کے حصے کی مزدوری دیں اس کو آپ نے گویا رزق دیا، مقولہ ہے کہ امیر نے اپنے لشکر کو رزق (اس کے حصے کا کھانا وغیرہ) دیا۔۔۔''

(المعجم الوسيط : ۳۴۲/۱)

اب کیا ''اعلیٰ حضرت'' کے ہم نوا پرندوں اور سپہ سالاروں کے بارے میں بھی یہ سرخی قائم کریں گے: **''پرندوں نے رزق دیا۔''، ''امیروں نے رزق دیا۔''**؟؟؟
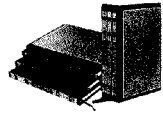
علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا جیسا کہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (۳۶۸۔۴۶۳ھ) فرماتے ہیں: **ولا یعلم الغیب غیرہ .** ''اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔''

(التمهيد لما فى المؤطا من المعانى والاسانيد لابن عبد البر : ٢٤/١٩٥)

اس کے برعکس صحابہ کرام اور ائمہ سلف صالحین کے باغی قرآن و حدیث کے خلاف یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ غیب دان ہیں، حتی کہ آپ ﷺ کو یہ بھی معلوم ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ یہ انتہائی باطل اور گمراہ کن عقیدہ ہے۔اس قسم کے گمراہی پر مبنی عقائد مسلمانوں میں کیسے گھس آئے ؟ اس کی ایک وجہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) یوں بیان فرماتے ہیں: **وأظهر اللّٰه من نور النبوّة شمسا طمست ضوء الكواكب ، وعاش السلف فيها برهة طويلة ، ثمّ خفى بعض نور النبوّة ، فعرّب بعض كتب الأعاجم الفلاسفة من الروم والفرس والهند فى أثناء الدولة العبّاسيّة ، ثمّ طلبت كتبهم فى دولة المأمون من بلاد الروم ، فعرّبت ، ودرسها الناس وظهر بسبب ذلک من البدع ما ظهر .**

''اللہ تعالیٰ نے نبوت کے نور کا سورج ظاہر کیا جس کی روشنی سے ستاروں کی روشنی ماند پڑ گئی۔سلف صالحین لمبا عرصہ اسی روشنی میں رہے، پھر نور نبوت (سے لوگوں کا استفادہ) کچھ ماند پڑ گیا۔عباسی دورِ حکومت میں روم ، فارس اور ہند کے عجمی فلاسفیوں کی کچھ کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا، پھر مامون الرشید کے دور میں روم کے علاقوں سے ان عجمیوں کی کتابیں منگوا کر ان کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔لوگوں نے ان کتابوں کو پڑھا اور اسی وجہ سے

وہ بدعتیں ظاہر ہوئیں جواب لوگوں میں نظر آتی ہیں۔'' (مجموع الفتاوی لابن تیمیة : ٨٤/٢)

بعض وجوہات کی طرف شیخ الاسلام ثانی علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (٦٩١۔٧٥١ھ) اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں : **ذكر الطواغيت الأربعة التى هدم بها أصحاب التأويل الباطل معاقل الدين ، وانتهكوا بها حرمة القرآن ، ومحوا بها رسوم الإيمان ، وهى قولهم : إنّ كلام اللّٰه وكلام رسوله أدلّة لفظيّة ، لا تفيد علما ولا يحصل منها يقين . وقولهم : إنّ آيات الصفات وأحاديث الصفات مجازات لا حقيقة لها ، فهذه الطواغيت الأربع هى التى فعلت بالإسلام ما فعلت ، وهى التى محت رسومه ، وأزالت معالمه ، وهدمت قواعده ، وأسقطت حرمة النصوص من القلوب ، ونهجت طريق الطعن فيها لكلّ زنديق وملحد فلا يحتج عليه المحتجّ بحجّة من كتاب اللّٰه أو سنّة رسوله إلّا لجأ إلى طاغوت من هذه الطواغيت واعتصم به واتخذه جُنَّة يصدّ به عن سبيل اللّٰه ، واللّٰه تعالى بحوله وقوّته ومنّه وفضله قد كسر هذه الطواغيت طاغوتا طاغوتا على ألسنة خلفاء رسله وورثة أنبيائه ، فلم يزل أنصار اللّٰه ورسوله يصيحون بأهلها من أقطار الأرض ويرجمونهم بشهب الوحى وأدلة المعقول .**

''ان طاغوتوں کا ذکر جن کے ذریعے باطل تاویلات کرنے والے لوگوں نے دین کے معالم کو ڈھایا ، قرآن کی حرمت کو پامال کیا اور ایمان کے نشانات کو مٹایا۔ وہ طاغوت ان کے یہ اقوال ہیں : وہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ اور کلام رسول لفظی دلائل ہیں ، یہ علم کا فائدہ نہیں دیتے نہ ان سے یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ صفاتِ باری تعالیٰ والی آیات و احادیث مجازی ہیں ، حقیقی نہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ عادل راویوں کی بیان کردہ صحیح احادیثِ رسول جن کو امت نے تلقی بالقبول کیا ہے ، وہ بھی علم کا فائدہ نہیں دیتیں ، زیادہ سے زیادہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب عقل اور وحی میں تعارض آ

جائے تو عقل کو لیا جائے گا، وحی کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ یہ وہ چار طاغوت ہیں جنہوں نے اسلام کے ساتھ یہ ظلم کیا ہے۔ انہی طاغوتوں نے اسلام کے نشانات کو مٹایا، اس کے معالم کو دھندلا کیا، اس کی بنیادوں کو منہدم کیا، وحی کی حرمت کو دلوں سے نکالا اور ہر زندیق وملحد کو نصوصِ وحی میں طعن کرنے کا راستہ دیا ہے۔ جب کوئی شخص کتاب اللہ یا سنتِ رسول کے ذریعے ایسے لوگوں کے خلاف دلائل ذکر کرنے لگتا ہے تو وہ اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے انہی طاغوتوں میں سے کسی طاغوت کا سہارا لیتے، اسے لازم پکڑتے اور اسے ڈھال بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت و طاقت اور اپنے فضل وکرم سے اپنے رسولوں کے نائبوں اور اپنے انبیاء کے ورثاء کی زبانی ان طاغوتوں کو ایک ایک کرکے توڑا۔ اللہ اور اس کے رسول کے جانثار ہر دور میں اور زمین کے ہر کونے میں ان طاغوتوں کے پجاریوں کو للکارتے رہے اور ان کو وحی کے انگاروں اور عقل کے دلائل کے ذریعے رجم کرتے رہے۔''

(الصواعق المرسلة على الطائفة الجهمية والمعطلة لابن القيم: ۳۸۰،۳۷۹/۲)

قیامت کب آئے گی؟ یہ غیب کی بات ہے اور غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ کہنا کہ نبی اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ قیامت کب آئے گی، قرآن و حدیث اور اجماعِ امت کی مخالفت اور صریح جھوٹ ہے۔

قیامت کا علم مخفی ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی پر ظاہر نہیں کیا جیسا کہ:

① فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى﴾ (طٰہٰ: ۱۵)

''بلاشبہ قیامت آنے والی ہے، میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر نفس کو اس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کوشش کرتا ہے۔''

② فرمانِ الٰہی ہے: ﴿إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (حم السجدة: ٤٧)

''قیامت کا علم اسی کے پاس ہے۔''

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (۲۲۴ـ۳۱۰ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

إلی اللّٰه یردّ العالمون به علم الساعة ، فإنّه لا یعلم قیامها غیره .

''علم والے لوگ قیامت کے علم کو اللہ تعالیٰ کے ہی سپرد کرتے ہیں کیونکہ قیامت کے قیام کا وقت اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''(تفسیر الطبری: ۲/۲۵)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱ـ۷۷۴ھ) اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

أی لا یعلم ذلک أحد سواه ، کما قال محمّد صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، وهو سیّد البشر لجبریل ، وهو من سادات الملائکة ، حین سأله عن الساعة ، فقال : ((ما المسؤول عنها بأعلم من السائل)) (صحیح البخاری: ۵۰، صحیح مسلم: ۱۰۰۹) ، **وکما قال تعالی : ﴿إِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهَاهَا﴾** (النازعات: ٤٤) ، **وقال جلّ جلاله : ﴿لَا یُجَلِّیهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾** (الاعراف: ۱۸۷) . ''یعنی اللہ کے سوا قیامت کا علم کسی کے پاس نہیں جیسا کہ سید الملائکہ جبریل نے سید البشر محمد ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: **((ما المسؤول عنها بأعلم من السائل))** جس سے سوال کیا گیا ہے، وہ اس بارے میں سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔(صحیح البخاری: ۵۰، صحیح مسلم: ۱۰۰۹) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **﴿إِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهَاهَا﴾** (النازعات: ٤٤) اس (کے علم) کی انتہا تو آپ کے رب کے پاس ہی ہے۔ نیز فرمایا ہے: **﴿لَا یُجَلِّیهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾** (الاعراف: ۱۸۷) وہی اسے اس کے وقت ہی پر ظاہر کرے گا۔''(تفسیر ابن کثیر: ٤٨٥/٥ بتحقیق عبد الرزاق المهدی)

۳) فرمانِ باری تعالیٰ ہے: **﴿فَهَلْ یَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِیَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنّٰی لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِکْرٰهُمْ﴾**(محمّد: ۱۸)

''چنانچہ یہ لوگ تو بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آجائے،

یقیناً اس کی نشانیاں آ چکی ہیں، تو جب قیامت ان کے پاس آ پہنچے گی تو ان کے لیے کہاں ہوگا نصیحت حاصل کرنا۔''

قیامت اچانک آئے گی۔معلوم ہوا کہ کسی کے پاس قیامت کا علم نہیں۔

④ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾(الزخرف : ۸۵)

''اسی کے پاس قیامت کا علم ہے۔''

مشہور مفسر علامہ خازن (۶۷۸۔۷۴۱ھ) لکھتے ہیں: **ومعنی الآیة أنّ اللّٰه عندهٗ علم الساعة ، فلا یدری أحد من الناس متی تقوم الساعة ، فی أیّ سنة ، أو أیّ شهر .....** ''اس آیتِ کریمہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔لوگوں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ قیامت کب، کس سال یا کس مہینے میں قائم ہوگی؟''(لباب التاویل فی معانی التنزیل للخازن : ۵/۲۲۰)

⑤ نیز فرمایا: ﴿یَسْأَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا یُدْرِیکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَکُونُ قَرِیبًا﴾(الاحزاب : ۶۳)

''(اے نبی!) لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔آپ کہہ دیجیے کہ بے شک اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔آپ کو کیا معلوم شاید کہ قیامت قریب ہو۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یقول تعالی مخبرا لرسوله صلّی اللّٰه علیه وسلّم أنّه لا علم له بالساعة ، وإن سأله الناس عن ذلک وأرشده أن یردّ علمها إلی اللّٰه عزّ وجلّ ، کما قال له فی سورة الأعراف ، وهی مکّیّة وهذه مدنیّة ، فاستمرّ الحال فی ردّ علمها إلی الذی یقیمها ، لکن أخبره أنّها قریبة . ''اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے رہا ہے کہ آپ کو قیامت کا کوئی علم نہیں اگرچہ لوگ آپ سے اس بارے میں سوال کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رہنمائی کی ہے کہ وہ قیامت کے علم کو اللہ تعالیٰ

کے سپرد کیا کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں یہ بات فرمائی ہے۔ وہ سورت مکی ہے اور یہ مدنی ہے، چنانچہ قیامت کے علم کو اس کے قائم کرنے والے (اللہ) کے سپرد کرنے کا کام ہر دور میں جاری رہا، البتہ اللہ نے یہ بتا دیا تھا کہ قیامت قریب ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر : ۲۳۲/۵)

⑥ اللہ رب العزت کا فرمان ہے : ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الاعراف : ۱۸۷)

''(اے نبی!) وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کونسا ہے؟ کہہ دیجیے: اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری ہوگی۔ وہ (قیامت) تمہارے پاس بس اچانک ہی آئے گی۔ وہ (لوگ) آپ سے سوال کرتے ہیں جیسے آپ اس (کے وقت) سے بخوبی واقف ہیں۔ کہہ دیجیے: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (۲۲۴۔۳۱۰ھ) فرماتے ہیں :

وأمّا قوله : ﴿قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾ ، فإنّه أمر من اللّٰه نبيّه محمّدا صلّى اللّٰه عليه وسلّم بأن يجيب سائليه عن الساعة بأنّه لا يعلم وقت قيامها إلّا اللّٰه الذى يعلم الغيب ، وأنّه لا يظهرها لوقتها ، ولا يعلمها غيره جلّ ذكره .

''اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ : ﴿قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾ (کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے، وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی محمد ﷺ کو حکم ہے کہ وہ

قیامت کے بارے میں سوال کرنے والوں کو جواب یہ دیں کہ اس کے قائم ہونے کا وقت عالم الغیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، قیامت کو اس کے وقت پر ظاہر کرنے والا اور اس کا علم رکھنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔"(تفسیر الطبری : ٥٨٥/٥)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (٧٠١۔٧٧٤ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

أمر تعالى نبيّه صلّى اللّٰه عليه وسلّم إذا سئل عن وقت الساعة أن يردّ علمها إلى اللّٰه تعالى ، فإنّه هو الذى يجلّيها لوقتها ، أى يعلم جليّة أمرها ، ومتى يكون على التحديد ، لا يعلم ذلک إلّا هو تعالى ، ولهذا قال : ﴿ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ . "اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جب آپ سے قیامت قائم ہونے کے وقت کے بارے میں سوال کیا جائے تو آپ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اسے اپنے وقت پر ظاہر کرے گا، یعنی اللہ تعالیٰ ہی اس کے معاملے کی حقیقت کو اور اس بات کو کہ یہ کس معین وقت میں واقع ہو گی، جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : ﴿ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری ہوگی۔"

(تفسیر ابن کثیر : ٢٤٥/٣)

اللہ تعالیٰ کے فرمان : ﴿ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ "وہ آسمان و زمین میں بھاری ہوگی۔" کی تفسیر میں مشہور مفسر علامہ سدی رحمہ اللہ (م ١٢٧ھ) فرماتے ہیں :

خفيت فى السماوات والأرض ، فلم يعلم قيامها ، حتّى تقوم ، ملک مقرّب ولا نبىّ مرسل . "آسمانوں اور زمین میں قیامت مخفی رکھی ہے۔ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی رسول نبی بھی اس کے قیام سے پہلے اس کے وقتِ قیام کے بارے میں علم نہیں رکھتا۔"(تفسیر الطبری : ٥٨٦/٥، وسندہٗ حسنٌ)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (٢٢٤۔٣١٠ھ) فرماتے ہیں :

وأولى ذلك عندي بالصواب قول من قال : معنى ذلك ثقلت الساعة فى السموات والأرض على أهلها أن يعرفوا وقتها وقيامها ، لأنّ اللّٰه أخفى ذلك عن خلقه ، فلم يطّلع عليه منهم أحدًا ، وذلك أنّ اللّٰه أخبرَ بذلك بعد قوله : ﴿قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّى لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾ ، وأخبر بعده أنّها لا تأتى إلّا بغتة ، فالذى هو أولى أن يكون ما بين ذلك أيضًا خبرًا عن خفاء علمها عن الخلق ، إذ كان ما قبله وما بعده كذلك .

''میرے خیال میں اس آیت کی زیادہ درست تفسیر اس شخص کی ہے جو اس کا معنیٰ یہ بیان کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں پر اس کے قیام کے وقت کی معرفت بھاری (مشکل) ہوگئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی مخلوق سے مخفی رکھا ہے، کسی کو اس پر مطلع نہیں کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّى لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾ (کہہ دیجیے کہ بلاشبہ قیامت کا علم میرے رب کے پاس ہے، وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا)۔ پھر یہ خبر دی کہ قیامت اچانک ہی آئے گی۔ درست بات یہ ہے کہ اس فرمان میں قیامت کے علم کے مخلوق سے مخفی ہونے کا بھی ذکر موجود ہے کیونکہ اس کے ماقبل اور مابعد یہی ذکر ہے۔''(تفسير الطبرى : ٥٨٧/٤)

Ⓥ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ إِنْ أَدْرِى أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ﴾ (الجن : ٢٥)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں نہیں جانتا کہ جس (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا (دور)۔''

مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ (٦٠٠۔٦٧١ھ) فرماتے ہیں:

أى لا يعرف وقت نزول العذاب ووقت قيام الساعة إلّا اللّٰه ، فهو غيب لا أعلم منه إلّا ما يعرفنيه اللّٰه . ''یعنی عذاب کے نازل ہونے اور قیامت کے قائم ہونے کا وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ یہ غیب کی بات ہے۔ میں اس میں سے صرف

وہی جانتا ہوں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مجھے بتا دیتا ہے۔(تفسیر القرطبی : ۲۷/۱۹)

⑧ اللہ رب العزت فرماتا ہے : ﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ﴾

''اور(اے نبی!) آپ کو کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب ہو۔'' (الشوریٰ : ۱۷)

یہ آیتِ کریمہ اس بات پر صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قیامت کے بارے میں خبر نہیں دی تھی۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ (۱۰۷۔۱۹۸ھ) فرماتے ہیں : ما كان في القرآن ﴿وَمَا أَدْرٰكَ﴾ فقد أعلمه ، وما قال : ﴿وَمَا يُدْرِيكَ﴾ فإنّه لم يعلمه .

''قرآنِ کریم میں جن چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿وَمَا أَدْرٰكَ﴾ (آپ کو کیا معلوم ہے؟) کہا ہے، ان چیزوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دی تھی اور جن چیزوں کے بارے میں ﴿وَمَا يُدْرِيكَ﴾(آپ کیا معلوم کریں گے؟) کہا ہے، ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہیں دی۔''

(صحیح البخاری : ۲۷۰/۱، قبل الحدیث : ۲۰۱۴، تغلیق التعلیق لابن حجر : ۲۰۵/۳، وسندہٗ صحیحٌ)

یہی بات شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ (م ۵۶۱ھ) نے فرمائی ہے۔

(غنیۃ الطالبین للجیلانی : ص ۵۵، طبع لاھور)

⑨ فرمانِ ربانی ہے : ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾(لقمان : ۳٤)

''بلاشبہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔''

⑩ فرمانِ باری تعالیٰ ہے : ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا ☆ فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ☆ إِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ☆﴾(النازعات : ٤٢، ٤٣)

''(اے نبی!) وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی؟ آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا غرض؟ اس (کے علم) کی انتہا تو تیرے رب کے پاس ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) اسی آیت کی تفسیر میں اہل سنت و اہل حق کا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں: **أی لیس علمها إلیک ولا إلی أحد من الخلق، بل مردّها ومرجعها إلی اللّٰہ عزّ وجلّ، فهو الذی یعلم وقتها علی الیقین.**

''یعنی آپ کو یا مخلوق میں سے کسی کو بھی اس کا علم نہیں بلکہ اس کا مرجع ومنبع اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔وہی یقینی طور پر اس کے قائم ہونے کا وقت جانتا ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر: ۳۸۵/۶)

⑪ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿**وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰى وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ**﴾ (سبا: ۳)

''اور کافروں نے کہا: ہم پر قیامت نہیں آئے گی، کہہ دیجیے: کیوں نہیں! میرے عالم الغیب رب کی قسم! بلاشبہ وہ ضرور آئے گی، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ذرہ برابر کوئی چیز بھی اس سے چھپی نہیں رہ سکتی اور اس (ذرے) سے کوئی چھوٹی اور بڑی چیز ایسی نہیں جو واضح کتاب (لوح محفوظ) میں (درج) نہ ہو۔''

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو علم غیب کی صفت سے موصوف بتایا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ قیامت اگرچہ آنے والی ہے لیکن اس کے آنے کا وقت اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ کافروں سے کہہ دو کہ قیامت ضرور بالضرور آئے گی لیکن اس کے آنے کا وقت اس علام الغیوب کے سوا کوئی نہیں جانتا جس سے ایک ذرے کے برابر چیز بھی چھپ نہیں سکتی۔''(تفسیر الطبری: ۷۵/۲۲)

یہ گیارہ قرآنی آیات بینات ہیں۔ان آیات سے اور ان کی تفسیر وتشریح میں ائمہ اہل سنت ومحدثین عظام کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ قیامت کا وقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم

ہے۔مخلوق میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی کیونکہ یہ غیب کی بات ہے اورغیب صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر اس نے اپنی صفت **علّام الغیوب** (غیب جاننے والا) بیان کی ہے۔(المائدۃ : ۱۰۹، ۱۱٦، التوبۃ : ۷۸، سبا : ٤۸)

نبی اکرم ﷺ یا کوئی اور مخلوق غیب دان نہیں۔

علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ (۷۰۴۔۷۴۴ھ) شرک کے بیان میں لکھتے ہیں :

وقوله : إنّ المبالغة فی تعظیمه واجبة ، أیرید بها المبالغة بحسب ما یراہ کلّ أحد تعظیماً حتّی الحجّ إلی قبرہ والسجود له والطواف به ، واعتقاد أنّه یعلم الغیب ، وأنّه یعطی ویمنع ، ویملک لمن استغاث به من دون اللّٰه الضرّ والنفع ، وأنّه یقضی حوائج السائلین ویفرّج کربات المکروبین ، وأنّه یشفع فیمن یشاء ویدخل الجنّة من یشاء ، فدعوی وجوب المبالغة فی هذا التعظیم مبالغة فی الشرک وانسلاخ من جملة الدین .

''سبکی کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرنا واجب ہے۔کیا ان کی مبالغہ سے مراد وہ تعظیم ہے جسے کوئی شخص اپنے خیال میں تعظیم سمجھے حتی کہ آپ ﷺ کی قبر کا حج ، اس پر سجدہ ، اس کا طواف اور یہ اعتقاد کہ آپ ﷺ غیب دان ہیں ، آپ دیتے بھی ہیں اور روک بھی لیتے ہیں، جو اللہ کو چھوڑ کر آپ سے مانگتا ہے، اس کے لیے نفع ونقصان کے مالک ہیں ،سوال کرنے والوں کی حاجات آپ پوری کرتے ہیں اورغم زدہ لوگوں کی مشکلات رفع کرتے ہیں ، نیز آپ جس کی چاہیں گے سفارش کریں گے اور جسے چاہیں گے جنت میں داخل کر دیں گے۔۔۔ اگر یہ مراد ہے تو تعظیم میں مبالغہ دراصل شرک میں مبالغہ اور دین سے مکمل طور پر نکل جانا ہے۔''(الصارم المنکی فی الرد علی السبکی لابن عبد الھادی : ۳٤٦)

❀❀❀❀❀❀❀

حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

2

حدیثی دلائل پر اعتراضات اور جوابات :

قارئین کرام گزشتہ قسط میں اس حوالے سے حدیثی دلائل ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب پاک ہے۔محدثین کرام نے صاف وصریح انداز سے ان احادیث سے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے۔مخالفین کے پاس اس واضح موقف کے خلاف کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے وہ یہ ثابت کرسکیں کہ حلال جانوروں کا پیشاب بھی حرام جانوروں کی طرح نجس و پلید ہے۔کوئی دلیل نہ رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ حضرات حدیثی دلائل پر اعتراضات بھی کرتے ہیں۔آیئے ان کے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں:

حدیث انس پر اعتراضات کا تجزیہ :

ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیماروں کو اونٹنیوں کے دودھ کے ساتھ ساتھ ان کا پیشاب پینے کا بھی حکم دیا تھا۔(صحیح بخاری: ۲۳۳، صحیح مسلم: ۱۶۷۱)

اس پر اعتراضات اوران کے جوابات درجِ ذیل ہیں:

اعتراض نمبر ① :

جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی صاحب لکھتے ہیں :

’’علامہ عینی (۹۲۰/۱) عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ اس مقام پر شربِ بول کا حکم ضرورت تداوی کی بناء پر تھا اور وحی کے ذریعے اس کے ساتھ شفا ہونے کا علم آپ کو ہو گیا تھا۔ضرورت اور غیر ضرورت کی حالت جدا ہوتی ہے جیسے أکل میتة وغیرھا بحالتِ اضطرار درست ہے، ویسے نہیں۔‘‘ (خزائن السنن از صفدر : ۱۵۶/۱)

اسی بات کو امام طحاوی حنفی یوں بیان کرتے ہیں :

فذلک إنّما کانت للضرورة ، فلیس فی ذلک دلیل أنّه مباح فی غیر حال الضرورة . ''آپ ﷺ کا اونٹ کے پیشاب کو پینے کی اجازت دینا ضرورتِ تداوی کی بناء پر تھا۔ اس سے یہ دلیل نہیں ملتی کہ ضرورت کے علاوہ بھی یہ مباح ہے۔''(شرح معانی الآثار للطحاوی : ۸۳/۱)

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **إنّما أباح للعرنیّین شرب أبوال الإبل وألبان الإبل علی سبیل التداوی من المرض ..... والتداوی بمنزلة الضرورة .**

''آپ ﷺ نے عرینہ قبیلے والوں کے لئے اونٹوں کا پیشاب اور دودھ بیماری کے علاج کے طور پر مباح کیا تھا اور علاج ضرورت کے قائم مقام ہے۔''

(المحلّٰی لابن حزم : ۱۷۴/۱، ۱۷۵)

تجزیہ : ① پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمہ شرعی قواعد کے مطابق اصلاً تمام اشیاء پاک اور حلال ہوتی ہیں۔ کسی بھی چیز کی نجاست اور حرمت ثابت کرنے کے لئے قرآن وسنت یا اجماع سے کوئی دلیل ہونا ضروری ہے۔ نجاست اور حرمت کا دعویٰ کرنے والوں سے ہمارا سوال ہے کہ جو جانور اللہ کریم نے حلال قرار دیئے ہیں اور یقیناً وہ پاک بھی ہیں، ان میں سے تو کوئی جزو بھی سوائے دمِ مسفوح (ذبح کے وقت بہنے والے خون) کے حرام یا ناپاک نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص حلال جانور کی کسی اور چیز کے بھی حرام ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس پر دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔ جب حلال جانور کے پیشاب کی حرمت یا نجاست سرے سے ثابت ہی نہیں تو ضرورت یا غیر ضرورت کے چکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟

② ضرورتِ تداوی (علاج کی مجبوری) کی بناء پر نجس و حرام چیز حلال نہیں ہو سکتی۔ رسول اکرم ﷺ سے ایسا کرنا ثابت نہیں۔ آپ ﷺ نے پوری زندگی نجس و حرام چیز

سے اپنا علاج کیا نہ کسی بیمار کو ایسا مشورہ دیا۔ اس کے برعکس آپ ﷺ نے نجس و حرام چیز سے علاج کرنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ:

① سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: **نهى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن الدواء الخبيث .** ''رسول اکرم ﷺ نے خبیث دوا کے استعمال سے منع فرما دیا۔'' (سنن ابی داؤد: ۳۸۷۰، سنن الترمذی: ۲۰۴۵، سنن ابن ماجہ: ۳۴۹۹، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے خبیث چیز کو بطور دوائی استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز قرآن کریم آپ ﷺ کے فرائضِ منصبی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿**يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ**﴾ (الاعراف: ۱۵۷)

''آپ ان کو نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں، پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال ٹھہراتے اور خبیث چیزیں ان پر حرام قرار دیتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ جو چیزیں حرام ہیں وہ خبیث اور مضر ہیں۔ اسی لئے تو وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حرام قرار دی ہیں۔ اگر ان میں یہ خباثت اور ضرر نہ ہوتا تو امتِ محمدیہ کے مرد و عورت دونوں پر کبھی بھی حرام قرار نہ دی جاتیں۔ لہٰذا اگر حلال جانوروں کے پیشاب کو حرام و نجس قرار دیا جائے تو یہ خبیث قرار پائے گا۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک طرف لوگوں کو خبیث دوائی سے منع فرمائیں اور دوسری طرف اس کے پینے کا حکم بھی دیں؟

② ایک صحابی نے آپ ﷺ سے شراب کو دوائی میں استعمال کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إنّه ليس بدواء ، ولكنّه داء . ''یہ دوائی نہیں، بلکہ بیماری ہے۔''

(صحیح مسلم: ۱۹۸۴)

صحابہ کرام جو رسول اکرم ﷺ سے تعلیم یافتہ تھے، ان کا بھی یہی فتویٰ تھا کہ حرام چیز دوائی میں استعمال نہیں ہوسکتی، جیسا کہ:

① سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ اس بارے میں سوال ہوا تو فرمایا:
إنّ اللّٰه لم يجعل شفاء كم فيما حرّم عليكم .
''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی جو تم پر حرام قرار دی ہے۔''
(مصنف ابن أبی شیبه : ۲۰/۸ ، ح : ۲۳۷۳۹ ، وسندهٔ صحیحٌ)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ حرام چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہی نہیں ، لہٰذا حرام کے استعمال سے شفا کی توقع کرنا بھی بذاتِ خود ایک گناہ ہے۔

② نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: **كان ابن عمر إذا دعا طبيبا يعالج بعض أصحابه اشترط عليه أن لا يداوى بشيء حرّم اللّٰه عزّوجلّ .**
''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ معمول مبارک تھا کہ جب کسی عزیز کے علاج کے لئے حکیم کو بلاتے تو اس پر یہ شرط عائد کرتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے علاج نہیں کرے گا۔'' (المستدك للحاكم : ۲۱۸/٤ ، وسندهٔ صحیحٌ)

کیسے ممکن ہے کہ ایک رخصت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دی ہو اور صحابہ کرام اس کے بارے میں اتنی سختی کریں کہ دوسروں کو بھی اس کے استعمال کی اجازت نہ دیں۔

قارئین کرام نے دیکھ لیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام حرام ونجس چیز سے علاج کو ممنوع قرار دیتے تھے اور ان کے نزدیک حرام میں شفا کی توقع بھی عبث ہے۔ اگر حلال جانوروں کا پیشاب نجس ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اسے پینے کا حکم نہ دیتے۔ جب حرام میں شفا ہے ہی نہیں بلکہ یہ الٹا خود بیماری ہوتی ہے تو اسے بطور دوا استعمال کرنا کیسی عقل مندی ہے؟

پھر حرام میں شفا تلاش کرنے سے دین اسلام پر بھی زد آئے گی کہ اس میں علاج کے لئے حلال وطیب اشیاء نہیں تھیں ، اس لئے حرام ونجس چیزوں سے علاج مشروع قرار دیا گیا۔

بھلا نجاست اور شفا کی آپس میں کیا مناسبت؟ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ اونٹ کا پیشاب نجس ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے صرف ضرورتِ تداوی کی بناء پر استعمال کرایا۔

امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۳۔۳۱۱ھ) اس بات کا ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولو كان نجساً لم يأمر بشربه ، وقد أعلم أن لا شفاء فی المحرّم ، وقد أمر بالاستشفاء بأبوال الإبل ، ولو كان نجساً كان محرّماً ، كان داءً لا دواءً ، وما كان فيه شفاء ، كما أعلم صلّى اللّٰه عليه وسلّم لمّا سئل : أيتداوى بالخمر؟ فقال : ((إنّما هی داء ، وليست بدواء))

''اگر اونٹوں کا پیشاب نجس ہوتا تو آپ ﷺ اس کو پینے کا حکم نہ دیتے۔ آپ ﷺ نے تو خود بتا دیا تھا کہ حرام میں شفا نہیں، پھر اونٹوں کے پیشاب سے علاج کا بھی حکم دیا۔ اگر یہ حرام ہوتا تو بیماری ہوتا، دوا نہ بنتا اور اس میں شفا نہ ہوتی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے جب شراب کو بطور دوائی استعمال کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: یہ تو بیماری ہے، شفا نہیں۔''(صحيح ابن خزيمة : ۶۰/۱، قبل الحديث : ۱۱۵)

امام ابن حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) شراب کو بیماری قرار دینے والے فرمانِ رسول کو پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **ذكر الخبر المدحض قول من زعم أنّ العرنيّين إنّما أبيح لهم فی شرب أبوال الإبل للتداوی ، لا أنّها طاهرة .**

''اس حدیث کا بیان جو اس شخص کی بات کا ردّ کرتی ہے جس کا دعویٰ ہے کہ قبیلہ عرینہ والوں کے لیے اونٹوں کا پیشاب پینا بطور دوائی جائز قرار دیا گیا ہے، اس لیے نہیں کہ وہ پاک تھا۔''(صحيح ابن حبان : ۲۳۱/٤، قبل الحديث : ۱۳۸۹)

اعتراض نمبر ②: حافظ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فإذا اضطررنا إليه فلم يحرّم علينا حينئذ بل هو حلال ، فهو لنا حينئذ

شفاء ... وقد قال الله تعالى فما حرّم علينا : ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ ، وقد قال تعالى : ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾ ، وصحّ أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال : ((الحرير والذهب حرام على ذكور أمّتي ، حلال لإناثها)) .... ثمّ صحّ يقينا أنّه عليه السلام أباح لعبد الرحمن بن عوف والزبير بن العوّام لباس الحرير على سبيل التداوی .

''جب ہم کسی حرام چیز کے استعمال پر مجبور ہو جائیں تو وہ اس وقت ہم پر حرام نہیں رہے گی بلکہ حلال ہو جائے گی اور شفاء بن جائے گی۔اللہ تعالی نے حرام چیزوں کے متعلق فرمایا ہے : ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾(جو مجبور ہو جائے اور وہ بغاوت پر اترنے والا اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں)،نیز فرمایا: ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾(اللہ نے تم پر تمام حرام چیزیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں ، ہاں ! جس کے استعمال پر تم مجبور ہو جاؤ وہ استعمال کر سکتے ہو) ،مزید برآں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ریشم اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہیں ، البتہ ان کی عورتوں پر حلال ہیں ۔۔۔۔ پھر آپ ﷺ سے یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ نے ریشم کا لباس بطور علاج عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کے لئے جائز قرار دیا تھا۔۔۔''

تجزیہ : حرام چیزوں کے بطور دوائی استعمال کو جائز قرار دینے والوں کا سب سے بڑا شبہ یہی ہے لیکن یہ بات بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ مجبوری کے وقت حرام کھانے کا تعلق بقولِ قرآن بھوک سے ہے، بیماری سے نہیں۔اگر ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ کی تفسیر قرآن کریم سے ہی معلوم کر لی جائے تو بآسانی یہ اشکال رفع ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ﴾(المائدہ : ۳)

یعنی حرام کھانے کی اجازت صرف اس شخص کو ہے جو بھوک کی وجہ سے لاچار ہو جائے۔حرام چیزوں کا استعمال اس شخص کے لیے جائز ہے جو بھوک کی وجہ سے قریب المرگ ہو۔ بیماری کی لاچاری کی وجہ سے حرام کے استعمال پر قرآن وسنت میں کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کی ممانعت صراحت سے موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ دین اور مفسرین کرام نے مذکورہ آیتِ کریمہ کوضرورتِ جوع پرمحمول کیا ہے،ضرورتِ تداوی پرنہیں،یعنی انہوں نے اس آیت سے علاج کے لیےحرام کا جواز مستنبط نہیں کیا بلکہ بھوک کی صورت میں اسے جائز کہا ہے۔

امام طبری رحمہ اللہ (۲۲۴۔۳۱۰ھ)فرماتے ہیں: **فمن اضطرّ إلى ذلك أو إلى شيء منه لمجاعة حلَّت .** ''جوشخص بھوک کی وجہ سے ان سب حرام چیزوں یا ان میں سے بعض کے کھانے پر مجبور ہو جائے تو اس کے لیے یہ کھانا حلال ہوگا''

(تفسیر الطبری: ۳۱۳/۱۷)

پھر ہم پہلے بھی بیان کرآئے ہیں کہ یہ بالکل غلط بات ہے کہ کسی ایسی بیماری کا وجود ہو جس کا علاج اسلام کی حلال کردہ کسی دوا میں نہ ہو، نیز یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی حرام چیز میں شفا ہو۔ بھوک کی مجبوری پر علاج کی مجبوری کو قیاس کرنا بالکل باطل ہے، کیونکہ حرام کھانے سے بھوک کا مٹنا اتفاقی طور پر یقینی ہے جبکہ حرام سے شفا کا ملنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی تصریحات کے مطابق اتفاقی طور پر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حرام میں شفا رکھی ہی نہیں تو اسے شفا کے لئے استعمال کرنا کیسے جائز اور معقول ہوا؟

حرام دوائی کا ریشم پر قیاس!

رہا ریشم کے استعمال کی اجازت پر اونٹ کے پیشاب کو قیاس کر کے حرام کا اکل و شرب بطور علاج درست قرار دینا تو یہ قیاس کئی وجوہ سے باطل ہے:

① ریشم ایسا حرام نہیں جیسا کہ خنزیر، مردار کا گوشت اور شراب وغیرہ حرام ہیں، بلکہ ریشم کی حرمت جزوی ہے، کلی نہیں، یعنی یہ صرف مردوں پر حرام ہے، عورتوں پر

نہیں۔ جزوی حرمت پر کلی حرمت کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق (باطل) ہے۔

② ریشم کی حرمت کا تعلق صرف پہننے سے ہے، وہ نجس تو نہیں ہے۔ جب ریشم مردوں پر حرام ہوتے ہوئے بھی نجس نہیں تو اونٹ کا پیشاب بطور دوائی استعمال ہوتے ہوئے بھی حرام کیسے ہوسکتا ہے؟ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر ریشم مردوں پر حرام ہونے کے باوجود پاک ہے تو اونٹوں کا پیشاب بطور دوائی استعمال ہونے کی بنا پر بالاولیٰ پاک ہوتا۔

③ ریشم کے بطور علاج پہننے کے جواز پر نص آ چکی ہے، جبکہ حرام چیزوں کو بطور علاج کھانے پینے کی ممانعت پر نصوص ہم پیش کر چکے ہیں۔ ان کا آپس میں قیاس کرنا تو جمع بین الاضداد کے مترادف ہے؟

نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اونٹوں کے پیشاب کے پینے کے حکم کو اضطرار پر محمول کرنا بالکل غلط ہے، کیونکہ آپ نے اس حکم سے پہلے ان کے لئے کوئی دوائی تجویز نہیں کی۔ اگر ان پر کوئی اور دوائی اثر نہ کرتی تو مجبوری کا بھی سوال پیدا ہوتا۔ نبی اکرم ﷺ کا ان کی بیماری کو سنتے ہی یہ حکم دینا صاف بتاتا ہے کہ یہ اختیاری حالت تھی نہ کہ اضطراری۔ حدیث میں لفظ ہیں کہ ان کو مدینہ کی آب و ہوا ناموافق ہوگئی تھی۔ کیا کسی جگہ کی آب و ہوا ناموافق ہونے سے اضطراری حالت شروع ہو جاتی ہے؟

علامہ ابن سید الناس رحمہ اللہ (۶۷۱۔۷۳۴ھ) لکھتے ہیں:

ألبان الإبل وأبوالها تدخل فى علاج بعض أنواع الاستسقاء، لا سيّما إبل البادية التى ترعى الشيح والقيصوم .

''اونٹوں کا دودھ اور ان کا پیشاب استسقاء کی بعض اقسام کے علاج میں شامل ہے، خصوصاً وہ اونٹ جو شیح اور قیصوم کے پودوں کو بطور چارہ استعمال کرتے ہیں۔''

(شرح السیوطی لسنن النسائی: ۱٦١/۱)

معلوم ہوا کہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب استسقاء کی بیماری کے علاج میں داخل ہے،

ایسا نہیں کہ دنیا میں استسقاء کا کوئی اور علاج ہی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو شاید اسے اضطراری حالت قرار دینے والوں کے لیے کوئی دلیل بن سکتی۔

اعتراض نمبر ③ :

جناب صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں شربِ بول کا حکم نہیں دیا تھا اور اس کے لئے بخاری (۴۲۳/۱) اور (۱۰۰۵/۲) کی یہ روایت پیش کرتے ہیں:

فقالوا : یا رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ! ابغنا رسلا (ہمارے لیے دودھ والا جانور تلاش کریں) ، **فقال : ما أجد لکم إلّا أن تلحقوا بالزود ، فانطلقوا فشربوا من أبوالها وألبانها** . الحدیث تو اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے صرف دودھ مانگا تھا۔ اگلی کاروائی شربِ بول والی انہوں نے اپنی مرضی سے خود کی تھی۔ باقی **((اشربوا من أبوالها وألبانها))** بعض رواۃ کی اپنی تعبیر ہے۔''

(خزائن السنن از صفدر : ۱۵۵/۱)

تجزیہ : بڑے افسوس کی بات ہے کہ جناب صفدر صاحب حدیث کی اہانت وتاویل میں اپنے بڑوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ امام طحاوی حنفی اور جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب نے بھی اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کیا۔ اسی طرح صفدر صاحب کے ہم عصر جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب نے بھی اس سے پہلو تہی کی ہے، لیکن صفدر صاحب کو تقلید نے اس گھٹیا تاویل پر بھی مجبور کر دیا۔ نہ جانے آیندہ یہ مہلک بیماری کیا کیا گل کھلائے گی؟

انکار حدیث کا خفیہ اقدام :

مقلدین کی یہ عادت بد ہے کہ جب حدیث ان کے مذہب کے مخالف آ جائے تو بڑی سے بڑی تاویل سے گریز نہیں کرتے اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ یہ تاویل ان کو انکار حدیث تک لے جا رہی ہے۔ جو الفاظ فقہ حنفی کی دھجیاں بکھیرتے ہیں، ان کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ راویوں کی اپنی کارروائی ہے۔ قارئین کرام اللہ کے لیے غور فرمائیں کہ کیا ایسا

کہنے سے حدیث کی صحت مشکوک نہیں ہو جاتی ؟

کیا منکرین حدیث پھر سچ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ!) حدیث عجمیوں کی سازش ہے؟ جو احادیث آپ اپنے مذہب کی تائید میں پیش کرتے ہیں کیا ان کے راوی کوئی اور مخلوق ہوتے ہیں یا آپ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں ان راویوں نے ایسی کوئی کاروائی نہیں کی؟

یہ اعتراض انکار حدیث کی ایک خفیہ صورت ہے اور اس کا سبب صرف تقلید نا سدید ہے کیونکہ اگر صفدر صاحب مقلد نہ ہوتے تو یقیناً ان کو اس صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور ایسی بے تکی باتیں نہ کرنا پڑتیں۔زیادہ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بخاری و مسلم اور حدیث کے دوسرے معتبر اور ثقہ راویوں سے تو صفدر صاحب اور مقلدین اس قدر بدظن ہیں کہ جن احادیث اور کتب کو امتِ مسلمہ نے قبول کرنے پر اجماع کر لیا ہے، یہ لوگ انہیں تسلیم کرنے سے انکاری ہیں جبکہ محمد بن حسن شیبانی اور حسن بن زیاد لؤلوی جیسے راویانِ فقہ حنفی پر یہ لوگ اندھا اعتماد کرتے ہیں جن کو محدثین کرام نے کذاب اور خبیث کا لقب عطا کیا ہے۔نہ معلوم ان کذاب اور خبیث راویوں نے امام ابوحنیفہ پر کیا کیا جھوٹ باندھے ہیں اور فقہ حنفی میں کیا کیا کاروائیاں کی ہیں؟ اس طرف کبھی دھیان نہیں گیا!!!

دیوبندی بھائیوں سے ہمارا سوال ہے کہ یہ گھناؤنی کاروائی آخر کس راوی کی ہے؟ کیا صحابی رسول سیدنا انس رضی اللہ عنہ تو آپ کے اس خالص تقلیدی فتوے کی زد میں نہیں آ رہے؟ اگر آپ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بری کر دیں تو آگے سند ملاحظہ فرمائیں:

پہلا طبقہ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بہت سے شاگرد ان الفاظ کو بیان کرتے ہیں۔صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کے درج ذیل چھ شاگردوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشاب پینے کا حکم بیان کیا ہے:

① قتادہ بن دعامہ ② ابو قلابہ عبداللہ بن زید ③ عبدالعزیز بن صہیب

④ حمید الطّویل ⑤ عنبسہ بن سعید ⑥ معاویہ بن قرۃ

کیا ان سب تابعین نے اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا کر نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیئے اور کیا ان سب نے ایک جگہ جمع ہو کر میٹنگ میں یہ بات طے کی تھی؟ حالانکہ یہ لوگ مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ورنہ اگر یہ الفاظ اصل فرمان نبوی نہ تھے تو ان سب کو خواب آ گیا تھا کہ یہ الفاظ بڑھا دو؟

دوسرا طبقہ : ان تابعین سے یہ الفاظ بیان کرنے والے راوی درج ذیل ہیں :

① ایوب سختیانی ② ابو رجاء ③ یحییٰ بن ابی کثیر ④ ہمام
⑤ ہشیم ⑥ سماک بن حرب

یہ بھی یقیناً مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، ان کا اس ذاتی تعبیر پر اتفاق کیسے ہو گیا؟

تیسرا طبقہ : تیسرے طبقے میں تقریباً گیارہ راوی یہ الفاظ بیان کرتے ہیں :

① حماد ② ابن عون ③ حجاج بن صواف ④ اوزاعی
⑤ یزید بن زریع ⑥ عبدالاعلیٰ بن حماد ⑦ ہداب بن خالد
⑧ موسیٰ بن اسماعیل ⑨ ابن ابی شیبہ ⑩ یحییٰ بن یحییٰ ⑪ زہیر

چوتھا طبقہ : اس طبقہ میں بھی بہت سے راوی یہ الفاظ بیان کرتے ہیں :

① سلیمان بن حرب ② حفص بن عمر ③ قتیبہ بن سعید
④ ابو بشیر ⑤ ابن علیہ ⑥ ولید بن مسلم
⑦ محمد بن یوسف ⑧ مسکین ⑨ محمد بن مثنی
⑩ ازہر ⑪ معاذ بن معاذ

اس سے اگلے طبقوں میں بھی راویوں کی بڑی جماعت یہ الفاظ بیان کرتی ہے۔

اب دیوبندی بھائیوں سے سوال ہے کہ بلا شبہ یہ سب راوی بخاری ومسلم کے راوی ہیں۔ کیا سب نے اپنی طرف سے یہ الفاظ بیان کر دیے کو آپ کے بقول رسول اللہ ﷺ کے نہیں؟ یہ بات کر کے جناب نے صحیح بخاری ومسلم کے قریباً چالیس راویوں پر بدظنی کا اظہار کیا

ہے۔ابھی تو یہ اعداد وشمار صرف بخاری ومسلم کی اسانید کے مطابق ہیں۔اگر باقی کتب سے بھی اس حدیث کی تخریج کر کے اندازہ لگایا جائے تو بات کہاں سے کہاں تک چلی جائے گی۔

اگر فن حدیث سے صفدر صاحب کو ذرا سا بھی مس ہوتا تو شاید وہ یہ نہ کہتے کہ یہ بعض رواۃ کی اپنی تعبیر ہے کیونکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے چھ تابعین نے یہ الفاظ بیان کیے ہیں۔صرف ایک راوی ثابت نے ((اشربوا من ألبانها)) کے الفاظ ذکر کئے ہیں، یعنی اس نے وأبوالها کا لفظ بیان نہیں کیا جبکہ باقی چھ نے یہ زائد لفظ بیان کر دیا۔اب یہ زائد لفظ اگر ایک ثقہ راوی بھی بیان کرتا، باقی سب بیان نہ کرتے تو بھی مقبول ہونا تھا، چہ جائیکہ سب نے بیان کیا ہے، صرف ایک نے بیان نہیں کیا تو صفدر صاحب اسے بعض راویوں کا تصرف اور ذاتی تعبیر کا نام دے کر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔صفدر صاحب سے یہ بھی سوال ہے کہ چھ کے مقابلے میں ایک بعض ہے یا ایک کے مقابلے میں چھ کو بعض قرار دیا جائے گا؟

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ یہ مقلدین کا مبلغ علم ہے۔بھلا جس بارے آپ کو علم نہیں اس بارے میں بات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

محدثین و فقہائے کرام کی اہانت !!!

محدثین کرام وفقہائے امت جنہوں نے اپنی زندگیاں حدیث کے لیے وقف کر رکھی تھیں اور جن کی وجہ سے احادیثِ نبویہ ہم تک پہنچی ہیں اور جو حدیث کو بہتر سمجھنے والے تھے۔ان کی ایک جماعت نے اس حدیث سے اونٹوں کے پیشاب کی طہارت ثابت کی ہے، جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔کیا مذکورہ سب محدثین وفقہائے امت حدیث میں لاعلمی کا شکار تھے؟ ان میں سے تو کسی کو یہ بات سمجھ نہ آئی جو مقلدین کی عقل نارسا نے اخذ کی ہے۔جہاں یہ بات حدیث کی مخالفت ہے، وہاں محدثین کے علم اور ان کی حدیث فہمی پر بھی ضرب کاری ہے۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَّقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا !

سب تاویلات بے فائدہ ھیں !

سرخیل دیوبند جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب اس تاویل کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: إنّ هذا كلّه ذكرته بحثا محضا ، وليس بمختار عندي .

''میں نے یہ سب تاویلات محض (فضول) بحث کرتے ہوئے ذکر کی ہیں ، حالانکہ میرے نزدیک یہ تاویلات پسندیدہ نہیں ہیں۔''(فیض الباری للکشمیری : ۳۲۶/۱، ۳۲۷)

قارئین خود اندازہ کریں کہ جو بات آپ کو پسند ہی نہیں ہے ، حدیث میں باطل تاویلات کے لیے اسے ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ساری کی ساری تاویلات جناب کشمیری صاحب کے ہاں فضول ہیں۔

اعتراض نمبر ④ :

جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی صاحب لکھتے ہیں :

''ہدیۃ المجتبیٰ (۳۸) میں ہے کہ یہ عبارت سقيتها تبنا وماء باردا کے قبیل سے ہے۔ اس کا مطلب جیسا کہ امام ابن ہشام نے مغنی اللبیب (۱۹۳/۱) میں لکھا ہے کہ دو جملوں کا آپس میں فی الجملہ کچھ نہ کچھ تعلق ہو، ایک کا عامل ذکر کر دیا جائے اور دوسرے کا چھوڑ دیا جائے، اس لئے کہ سامعین خود بخود سمجھ جائیں گے۔ جیسے سقيتها تبنا وماء باردا میں سقیت ، ماء باردا سے متعلق ہے اور تبنا کا عامل علّفت ہے، یعنی علّفتها تبنا .

اس لحاظ سے حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اشربوا من ألبانها واطلوا من أبوالها، یعنی پیشاب کو پیٹ پر لیپ کرو۔''(خزائن السنن از صفدر : ۱۵۵/۱)

نیز دیکھیں فیض الباری از کشمیری (۳۲۷/۱)اور درس ترمذی از تقی عثمانی (۲۹۱/۱)

تجزیہ : ① اس بات میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ جس طرح نحو میں نحویوں کی ، صرف میں صرفیوں کی اور لغت میں لغویوں کی بات معتبر ہوتی ہے ، اسی طرح

حدیث کے فہم میں محدثین کی بات معتبر ہوتی ہے۔

آج تک کسی ایک ثقہ محدث نے یہ نہیں کہا کہ **اشربوا من ألبانها وأبوالها** کو **سقیتها تبنا وماء باردا** کی قبیل سے شمار کیا جائے گا۔اس کے برعکس ہم نے تو امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ سمیت بہت سے محدثین سے ثابت کیا ہے کہ وہ اس سے اونٹ کے پیشاب کو پینا ہی مراد لیتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے اس حدیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کی طہارت کا استدلال کیا ہے ۔کیا کسی محدث کو حدیث کی اتنی سمجھ نہیں تھی جتنی جناب صفدر صاحب اور ان کے ہم نواؤں کو ہے؟؟؟

④ اس کا یہ معنی اس لئے بھی محال ہے کہ حرام ونجس چیز میں شفا ہے ہی نہیں ، جیسا کہ ہم رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت کر چکے ہیں، لہٰذا آپ بے فائدہ لیپ کا کیسے حکم دے سکتے ہیں؟

③ دیوبندیوں کے امام العصر جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب لکھتے ہیں :

وحینئذ یجوز أن یکون من باب علّفتها تبنا و ماء باردا .... ثمّ إنّ هذا کلّه ذکرته بحثا محضا ، ولیس بمختار عندی ، والظاهر أنّهم شربوا أبوالها أیضا .

''اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ یہ **علّفتها تبنا وماء باردا** ... کے قبیل سے ہو۔۔۔ پھر یہ بات بھی مدنظر رہے کہ میں نے یہ تمام باتیں محض بحث کرتے ہوئے ذکر کی ہیں ورنہ میرے نزدیک یہ تاویلات مختار (پسندیدہ) نہیں۔ ظاہر بات یہی ہے کہ انہوں نے اونٹوں کا پیشاب بھی پیا تھا۔''(فیض الباری از کشمیری : ۳۲۷/۱)

صفدر صاحب سے سوال ہے کہ جو بات آپ کے اکابرین کے ہاں مختار نہ تھی ، آپ اسے کیوں اختیار کرتے ہیں ؟ مقلدین کی یہ عادت ہے کہ اپنی خفت مٹانے کے لیے وہ باتیں بھی اپنے دلائل میں ذکر کر دیتے ہیں جو خود ان کو پسند نہیں ہوتیں۔

اعتراض نمبر ⑤ : جناب محمد سرفراز خاں صفدر صاحب لکھتے ہیں :

''دوسرا جواب علامہ عینی ہی نے یہ دیا ہے کہ یہ منسوخ ہے اور دلیل نسخ یہ ہے کہ اس میں مثلہ کا ذکر ہے اور بعد میں آپ نے مثلہ سے منع فرما دیا تھا چنانچہ ابو داوٗد (۶/۲) میں روایت ہے : حضرت سمرۃ بن جندب اور عمران بن الحصین فرماتے ہیں: **كان عليه السلام يحثّنا** (برانگیختہ کرتے تھے) **على الصدقه وينهانا عن المثلة ، موارد الظمان (٣٦٢) ، وعن عمران بن الحصين : إنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كان يقوم فينا ، فيأمر بالصدقة وينهانا عن المثلة . انتهى ...** (آپ ﷺ ہمیں صدقہ کرنے کی ترغیب دیتے اور مثلہ سے منع کرتے تھے۔ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوتے اور صدقہ کا حکم دیتے اور مثلہ سے منع کرتے تھے)۔۔۔'' (خزائن السنن از صفدر : ۱۵۴/۱، ۱۵۵)

تجزیہ : ① نسخ کا یہ دعوی بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ مقلدین اکثر ایسے بلا دلیل دعوی ہائے نسخ کرتے رہتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) ان کی یہعادتِ بد یوں بیان کرتے ہیں :

ونجد كثيرا من الناس ، ممّن يخالف الحديث الصحيح من أصحاب أبى حنيفة أو غيرهم ، يقول : هذا منسوخ ، وقد اتّخذوا هذا محنة ، كلّ حديث لا يوافق مذهبهم يقولون : هو منسوخ من غير أن يعلموا أنّه منسوخ ، ولا يثبتوا ما الذى نسخه . ''ہم نے بہت سے امام ابوحنیفہ کے پیروکاروں وغیرہم کو دیکھا ہے جو صحیح حدیث کی مخالفت یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے۔ ایسا کرنا انہوں نے اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے۔ ہر وہ حدیث جو ان کے (تقلیدی) مذہب کے خلاف ہو، اس کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے حالانکہ ان کو اس کے نسخ کا پتا بھی نہیں ہوتا نہ وہ دلیل سے

اس کا ناسخ ثابت کر سکتے ہیں۔'' (مجموع الفتاوی: ۱۵۰/۲۱)

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام طحاوی حنفی احتمال کی بنیاد پر بکثرت دعوی نسخ کرتے ہیں۔ دیکھیں (فتح الباری: ۴۸۷/۹)

اس مسئلہ میں تو عینی حنفی کی تقلید میں صفدر صاحب نے اپنے اکابرین کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اس حدیث کو امام طحاوی حنفی نے بھی منسوخ نہیں کہا، گویا امام طحاوی حنفی بھول گئے اور صفدر صاحب نے اس کی تلافی کر دی۔

③ یہ دعویٔ نسخ خود دیوبندی علماء کے نزدیک بھی معتبر نہیں بلکہ وہ اس دعویٔ نسخ کو اصولِ حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں جناب محمد تقی عثمانی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں: ''تیسرا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی استنزھوا من البول والی حدیث ہے۔ نسخ کی دلیل یہ ہے کہ مؤرخین کی تصریح کے مطابق عرنیین کا یہ واقعہ ۶ ہجری میں پیش آیا اور حدیث استنزھوا من البول لازماً اس سے مؤخر ہے کیونکہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو ۷ ہجری میں اسلام لائے۔ اس کے علاوہ اسی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے عرنیین کا مثلہ فرمایا اور مثلہ باتفاق منسوخ ہے۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بھی منسوخ ہوگا۔ لیکن یہ جواب بہتر نہیں، اس لئے کہ اصول حدیث میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ محض راوی کا متاخر الاسلام ہونا حدیث کے متاخر ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حدیث ان کے اسلام لانے سے پہلے کی ہو اور راوی نے اسلام لانے کے بعد کسی اور صحابی سے اسے سن کر روایت کر دیا ہو۔ ایسی حدیث کو اصولِ حدیث میں مرسل صحابی کہتے ہیں۔ کتبِ حدیث میں اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔ لہٰذا حدیث عرنیین کو منسوخ کہنا مشکل ہے۔۔۔''

(درس ترمذی از تقی عثمانی: ۲۹۱/۱)

نہ جانے صفدر صاحب اس مشکل میں کیوں پڑ گئے تھے؟ جاری ہے۔۔۔۔

نماز کے لیے صفوں کو سیدھا کرنا، صفوں کے درمیان فاصلہ کم رکھنا، صف میں کندھوں کو برابر رکھنا، ٹخنے سے ٹخنا ملانا اور پاؤں کے ساتھ پاؤں ملانا سنت ہے۔ صحابہ کرام اور ائمہ سلف صالحین ہمیشہ اس کے عامل رہے ہیں۔ احادیثِ رسول میں صف بندی کے بارے میں احکامات بڑی تاکید سے بیان ہوئے ہیں، ملاحظہ فرمائیں :

① سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فقال : ((ألا تصفّون كما تصفّ الملائكة عند ربّها؟)) فقلنا : يا رسول الله ! وكيف تصفّ الملائكة عند ربّها ؟ قال : ((يتمّون الصفوف الأول ويتراصّون في الصفّ)) . ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس طرح کیوں صفیں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں؟ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟ فرمایا: وہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں ایک دوسرے سے یوں مل کر کھڑے ہوتے ہیں کہ درمیان میں کوئی فاصلہ باقی نہیں رہتا۔'' (صحیح مسلم : ۱/۱۸۰، ح : ۴۳۰)

② سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يمسح مناكبنا في الصلاة ، ويقول : ((استووا ولا تختلفوا ، فتختلف قلوبكم)) ..... قال أبو مسعود : فأنتم اليوم أشدّ اختلافا . ''رسول اللہ ﷺ نماز (کی صفوں) میں ہمارے کندھوں کو ہاتھوں سے برابر کرتے اور فرماتے : سیدھے ہو جاؤ، ٹیڑھے نہ ہو جاؤ، ورنہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے۔۔۔ابومسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آج تم (صفوں کی درستی میں سستی کی

بناء پر) سخت اختلاف کا شکار ہو۔'' (صحيح مسلم : ١٨١/١، ح : ٤٣٢)

معلوم ہوا کہ صفیں ٹیڑھی ہوں تو اس کی سزا میں دل بھی ٹیڑھے ہو جاتے ہیں، مودّت ومحبت ختم ہو جاتی ہے، دشمنی اور عداوت گھر کر جاتی ہے، دلوں کو بغض، حسد اور عناد جیسی مہلک بیماریاں گھیر لیتی ہیں، بھائی بھائی کا دشمن بن جاتا ہے، دوستی رنجشوں میں بدل جاتی ہے، دلوں میں ایسی پھوٹ پڑتی ہے کہ ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا گوارا نہیں ہوتا۔ آج بھی اختلاف و انتشار کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ حدیث کو فیصل و حاکم مان کر اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ائمہ مساجد اپنی ذمہ داری سے غافل ہیں، صفوں کی درستی پر توجہ نہیں دیتے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ روز قیامت ضرور پوچھے گا۔

③ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں:

كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يتخلّل الصفّ من ناحية إلى ناحية ، يمسح صدورنا ومناكبنا ، ويقول : ((لا تختلفوا ، فتختلف قلوبكم)) . . .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صف میں داخل ہوتے اور ایک جانب سے دوسری جانب تک جاتے۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سینوں اور کندھوں کو ہاتھوں سے درست کرتے اور فرماتے: ٹیڑھے نہ ہوا کرو، ورنہ تمہارے دل ٹیڑھ کا شکار ہو جائیں گے۔''

(مسند الامام احمد : ٢٨٥/٤، سنن ابی داؤد : ٦٦٤، سنن النسائی : ٨١٢، سنن ابن ماجه : ٩٩٧متختصرا ، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن جارود (٣١٦)، امام ابن خزیمہ (١٥٥٦) اور امام ابن حبان (٢١٦١) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ (٢٢٣۔٣١١ھ) اس حدیث پر یوں تبویب فرماتے ہیں:

باب التغليظ في ترك تسوية الصفوف ، تخوف لمخالفة الربّ عزّ وجلّ بين القلوب . ''صفوں کی درستی میں سستی کے بارے میں سخت وعید کا بیان کہ اللہ

رب العزت کی طرف سے دلوں میں دوری ڈال دیے جانے سے ڈرنا چاہیے۔''

(صحیح ابن خزیمة : ٢٤/٣)

④ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں:

كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يسوّى صفوفنا حتّى كأنّما يسوّى بها القِداح ، حتّى رأى أنّا قد عقلنا عنه ، ثمّ خرج يوما ، فقام حتّى كاد يكبّر ، فرأى رجلا باديا صدره من الصفّ ، فقال : ((عباد الله ! لتسوّن صفوفكم أو ليخالفنّ الله بين وجوهكم)) . ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں اتنی سیدھی کرتے رہے کہ گویا ان صفوں کے ذریعے تیروں کو سیدھا کرتے ہوں،حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ہم یہ بات سمجھ گئے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور قریب تھا کہ نماز کے لیے تکبیر کہہ دیں۔اچانک آپ کی نظر مبارک ایک ایسے شخص پر پڑی جو صف سے اپنے سینے کو باہر نکالے ہوئے تھا۔آپ نے فرمایا: اللہ کے بندو! تم ضرور اپنی صفوں کو درست کر لو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تمارے چہروں میں اختلاف (دشمنی)ڈال دے گا۔''

(صحیح مسلم : ١٨٢/١، ٤٣٦)

⑤ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لتسوّنّ صفوفكم أو ليخالفنّ الله بين وجوهكم))

''تم ضرور اپنی صفوں کو سیدھا کر لو گے، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں میں مخالفت (عداوت) ڈال دے گا۔''(صحيح البخاری : ٧١٧، صحيح مسلم : ٤٣٦)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۳۸۴۔۴۵۶ھ) اس وعید کے بارے میں فرماتے ہیں:

هذا وعيد شديد ، والوعيد لا يكون إلّا فى كبيرة من الكبائر .

''یہ سخت وعید ہے اور وعید ہمیشہ کسی کبیرہ گناہ کے بارے میں ہوتی ہے۔''

(المحلّى لابن حزم : ٥٥/٢، مسئلة : ٤١٥)

⑥ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا صلّيتم فأقيموا صفوفكم)) . ''جب تم (باجماعت) نماز پڑھو تو اپنی صفوں کو درست کیا کرو۔'' (صحيح مسلم: ١/١٧٤، ح: ٤٠٤)

⑦ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((رصّوا الصفوف ، لا يتخلّلكم مثل أولاد الحذف)) ، قيل : يا رسول الله ! وما أولاد الحذف ؟ قال : ((غنم سود صغار ، يكون باليمن)) .

''تم صفوں کو اچھی طرح ملایا کرو، تمہارے درمیان سے حذف کے بچوں کی طرح کی چیزیں نہ گزر سکیں۔ آپ سے پوچھا گیا کہ حذف کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: چھوٹی سی بکری جو کہ یمن میں پائی جاتی ہے۔'' (مصنف ابن ابی شيبة : ١/٣٥١، مسند السراج : ٧٥٨، المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٣/٢١٧، وسندهٗ صحيحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔

⑧ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يسوّي يعني صفوفنا إذا قمنا للصلاة ، فإذا استوينا كبّر ..

''جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو سیدھا کرتے۔ جب ہم سیدھے ہو جاتے تو آپ ﷺ نماز کے لیے تکبیر کہتے۔''

(سنن ابی داوٗد : ٦٦٥، صحيح ابی عوانة : ١٣٨، وسندهٗ حسنٌ)

حافظ نووی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو امام مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

(خلاصة الاحكام للنووی : ٢٤٧٠)

⑨ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أقيموا الصفّ في الصلاة ، فإنّ إقامة الصفّ من حسن الصلاة)) .

''تم نماز میں صف کو قائم رکھا کرو کیونکہ صف کو قائم کرنا نماز کا حسن ہے۔''

(صحيح البخاری : ۷۲۲، صحیح مسلم : ٤٣٥)

⑩ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سوّوا صفوفکم ، فإنّ تسویة الصفّ من إقامة الصلاة)) .

''تم صفوں کو درست کیا کرو کیونکہ صفوں کی درستی سے نماز قائم ہوتی ہے۔''

(صحیح البخاری : ۱/۱۰۰، ح : ۷۲۳، صحیح مسلم : ۱/۱۸۱، ح : ٤٣٣)

⑪ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أحسنوا إقامة الصفوف فی الصلاة)) . ''نماز میں صفوں کی درستی اچھی طرح سے کیا کرو۔''(مسند الامام احمد : ۲/٤٨٥، وسندہٗ صحیحٌ)

امام ابن حبان رحمہ اللہ (۲۱۷۹) نے اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

⑫ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : أقیمت الصلاة ، فأقبل علینا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم بوجهه ، فقال : ((أقیموا صفوفکم وتراصّوا ، فإنّی أراکم من وراء ظهری)) . ''ایک دن نماز کی اقامت ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُخِ انور ہماری طرف پھیرا اور فرمایا: تم صفوں کو مکمل کرو اور خوب مل کر کھڑے ہوا کرو۔ میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔''

(صحیح البخاری : ۱/۱۰۰، ح : ۷۱۹)

⑬ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أقیموا صفوفکم ، فإنّی أراکم من وراء ظهری)) ، وکان أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه ، وقدمه بقدمه . ''تم اپنی صفوں کو سیدھا کرو۔ میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ پھر ہم میں سے ہر آدمی اپنے ساتھی کے کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں چپکا لیتا تھا۔''(صحیح البخاری : ۱/۱۰۰، ح : ۷۲۵)

بتایئے کہ جو لوگ صرف انگلی کے ساتھ انگلی ملاتے ہیں ان کا عمل حدیث کے موافق

ہے یا مخالف؟

⑭ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سدّدوا وقاربوا)) . ''تم سیدھے اور قریب قریب ہو جاؤ۔''

(مسند الامام احمد : ٢٨٢/٥، مسند الدارمی : ٦٦٢، وسندهٗ حسنٌ)

امام ابن حبان رحمہ اللہ (١٠٣٧) نے اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **هذا إسناد موصول .** ''یہ سند موصول ہے۔''

(شعب الایمان للبیهقی : ٢٤٥٩)

⑮ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اعتدلوا فی صفوفکم وتراصّوا ، فإنّی أراکم من وراء ظهری)) ، قال أنس : لقد رأیت أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه ، ولو ذهبت تفعل ذلک لتری أحدهم کأنّه بغل شموس . ''تم صفوں میں سیدھے ہو جاؤ اور خوب مل جاؤ۔ میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اپنے ساتھ والے کے کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں چپکا لیتا تھا۔ اگر آپ (آج) اس طرح کرنے لگیں تو دیکھیں گے کہ لوگ (اس طرح بدکیں گے جیسے وہ) سرکش خچر ہوں۔''(مصنف ابن ابی شیبة : ٣٥٠/١، الفوائد للمخلص : ٢/١٠/١ نقلا عن الصحیحة للالبانی : ٣١، السنن لسعید بن منصور نقلا عن فتح الباری لابن حجر : ٢١١/٢، وسندهٗ صحیحٌ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (٧٧٣-٨٥٢ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وأفاد هذا التصریح أنّ الفعل المذکور کان فی زمن النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، وبهذا یتمّ الاحتجاج به علی بیان المراد بإقامة الصفّ وتسویته .

''اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ (صف بندی کا) مذکورہ کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے

میں ہوتا تھا۔صفوں کو قائم اور سیدھا کرنے سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں اسی حدیث سے مکمل دلیل ملتی ہے۔''(فتح الباری لابن حجر : ۲۱۱/۲)

صاحب التعلیق المغنی کہتے ہیں : **فهذه الأحاديث فيها دلالة واضحة على اهتمام تسوية الصفوف ، وأنّها من تمام الصلاة ، وعلى أنّه لا يتأخّر بعض على بعض ، ولا يتقدّم بعضه على بعض ، وعلى أنّه يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه وركبته بركبته ، لكنّ اليوم تركت هذه السنّة ، ولو فعلت اليوم لنفر الناس كالحمر الوحشيّة ، فإنّا للّه وإنّا إليه راجعون .**

''ان احادیث میں واضح دلالت موجود ہے کہ صفوں کی درستی کا اہتمام کرنا چاہیے ، صف بندی سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے ،صف میں آگے پیچھے کھڑے نہیں ہونا چاہیے ، ایک شخص دوسرے کے کندھے سے کندھا ، پاؤں سے پاؤں اور گھٹنے سے گھٹنا چپکا کر کھڑا ہو ، لیکن آج یہ سنت ترک کر دی گئی ہے۔اگر آپ اس پر عمل کریں تو لوگ جنگلی گدھوں کی طرح بھاگیں گے۔ إنّا للّه وإنّا إليه راجعون! ''(عون المعبود : ۲۵٦/۲)

صف بندی کے بارے میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے اس فرمان پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (م۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں :

وهكذا حال أكثر الناس فى هذا الزمان ، فإنّه لو فعل بهم ذلک لنفروا كأنّهم حمر وحش ، وصارت هذه السنّة عندهم كأنّها بدعة ، عياذا باللّه ، فهداهم اللّه وأذاقهم حلاوة السنّة . ''اس دور میں اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔ اگر ان کے ساتھ ایسی صف بندی کی جائے تو وہ جنگلی گدھوں کی طرح بھاگنے لگیں گے۔ اس سنت کو وہ گویا بدعت سمجھنے لگے ہیں (نعوذ باللہ!)۔اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے اور سنت کی مٹھاس عطا فرمائے۔''(ابکار المنن فی تنقید آثار السنن للمبارکفوری : ص ۲٤۵)

شیخ رحمہ اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ اہل بدعت اور اہل تعصب کی مساجد اس سنت کے نور سے

خالی ہیں، ان کے ہاں صف بندی کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔ لوگ ایک بالشت بلکہ ایک فٹ کے فاصلے پر کھڑے ہوتے ہیں۔ بسا اوقات صف میں کھڑے دو انسانوں کے درمیان اتنا خلا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہونے کی گنجائش ہوتی ہے۔ اگر کوئی پاؤں سے پاؤں ملانے کی کوشش کرے تو دور بھاگتے ہیں۔ گویا اس سنت سے ان کو شدید نفرت ہے۔ یقیناً یہ لوگ امت کی بربادی کا سامان کر رہے ہیں۔ یہ سنتوں کے دشمن اور بدعتوں کے شیدائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سنت کی مخالفت پر ان کو ضرور پوچھے گا۔

⑯ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إنّه قدم المدينة ، فقيل له : ما أنكرت منذ يوم عهدتّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ؟ قال : ما أنكرت شيئا إلّا أنّكم لا تقيمون الصفّ .

''وہ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ان سے سوال ہوا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے آج تک آپ نے (اہل مدینہ کی) کون سی بات ناپسند کی ہے؟ انہوں نے فرمایا: مجھے (اہل مدینہ) کی کوئی بات ناپسند نہیں سوائے اس کے کہ تم صف بندی کا اہتمام نہیں کرتے۔''

(صحيح البخاری: ۱/۱۰۰، ح: ۷۲٤)

اس روایت پر امام بخاری رحمہ اللہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ) نے یوں تبویب کی ہے:

باب إثم من لم يتمّ الصفوف . ''جو لوگ صفیں مکمل نہیں کرتے، ان کے گناہ کا بیان۔''

⑰ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اپنا چشم دید واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

أقبل رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم بوجهه ، فقال : ((أقيموا صفوفكم)) ثلاثا ، ((لتقيمنّ صفوفكم أو ليخالفنّ اللّٰه بين قلوبكم)) ، قال : فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه وركبته بركبة صاحبه وكعبه بكعبه .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اپنا رُخِ انور پھیرا اور فرمایا: اپنی صفوں کو قائم کیا

کرو۔ تین مرتبہ یہی بات دہرائی ، پھر فرمایا: تم ضرور اپنی صفوں کو قائم کرلو گے ، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : میں نے دیکھا کہ (اس فرمانِ نبوی کو سننے کے بعد) ایک شخص دوسرے ساتھی کے کندھے کندھا ، گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنا چپکا تا تھا۔''(مسند الامام احمد : ٢٧٦/٤، سنن ابی داوٗد : ٦٦٢، صحیح البخاری : ١٠٠/١ مختصرا معلّقا ، وسندهٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (١٦٠) اور امام ابن حبان (٢١٧٦) رحمہما اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔(تغلیق التعلیق : ٣٠٢/٢، ٣٠٣)

حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **رواه أبو داوٗد وغيره بأسانيد حسنة .**

''اس حدیث کو امام داوٗد اور دیگر ائمہ نے حسن سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔''

(خلاصة الاحکام للنووی : ١١٦/١)

زکریا بن ابی زائدہ نے سنن دارقطنی (٢٨٢/١) اور صحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔

ناصر السنۃ علامہ البانی رحمہ اللہ (١٣٣٢۔١٤٢٠ھ) حدیثِ انس اور حدیث نعمان بن بشیر کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں : **وفی هذين الحديثين فوائد هامّة :**

الأولى وجوب إقامة الصفوف وتسويتها والتراصّ فيها ، للأمر بذلک ، والأصل فيه الوجوب إلّا لقرينة ، كما هو مقرر فی الأصول ، والقرينة هنا تؤكّد الوجوب ، وهو قوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ((أو ليخالفنّ اللّٰه بين قلوبكم)) ، فإنّ مثل هذا التهديد لا يقال فيما ليس بواجب ، كما لا يخفى ، الثانية : أنّ التسوية المذكورة إنّما تكون بلصق المنكب بالمنكب ، وحافة القدم بالقدم ، لأنّ هذا هو الذى فعله الصحابة رضى اللّٰه عنهم حين أمروا بإقامة الصفوف ، ولهذا قال الحافظ فی الفتح بعد أن ساق الزيادة التی أوردتّها فی الحديث الأوّل من قول

أنس : وأفاد هذا التصريح أنّ الفعل المذكور كان فى زمن النبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، وبهذا يتمّ الاحتجاج به على بيان المراد بإقامة الصفّ وتسويته ، ومن المؤسّف أنّ هذه السنّة من التسوية قد تهاون بها المسلمون ، بل أضاعوها إلّا القليل منهم ، فإنّى لم أرها عند طائفة منهم إلّا أهل الحديث ، فإنّى رأيتهم فى مكّة سنة (١٣٦٨) حريصين على التمسّک بها کغيرها من سنن المصطفى عليه الصلاة والسلام بخلاف غيرهم من أتباع المذاهب الأربعة ، لا أستثنى منهم حتّى الحنابلة ، فقد صارت هذه السنّة عندهم نسيّا منسيّا ، بل إنّهم تتابعوا على هجرها والإعراض عنها ، ذلک لأنّ أكثر مذاهبهم نصّت على أنّ السنّة فى القيام التفريج بين القدمين بقدر أربع أصابع ، فإن زاد كره ، كما جاء مفصّلا فى الفقه على المذاهب الأربعة (١/٢٠٧) ، و التقدير المذكور لا أصل له فى السنّة ، وإنّما هو مجرد رأى ، و لو صحّ لوجب تقييده بالإمام والمنفرد حتّى لا يعارض به هذه السنّة الصحيحة ، كما تقتضيه القواعد الأصوليّة ، وخلاصة القول : إنّنى أهيب بالمسلمين وخاصّة أئمّة المساجد الحريصين على اتّباعه صلّى اللّٰه عليه وسلّم واكتساب فضيلة إحياء سنّته صلّى اللّٰه عليه وسلّم أن يعملوا بهذه السنّة ويحرصوا عليها ، ويدعوا الناس إليها حتّى يجتمعوا عليها جميعا ، و بذلک ينجون من تهديد : ((أو ليخالفنّ اللّٰه بين قلوبكم)) .....

''ان دونوں حدیثوں میں بہت سے اہم فوائد ہیں۔ پہلا یہ کہ صفوں کو قائم کرنا، ان کو سیدھا کرنا اور ان کو اچھی طرح ملانا واجب ہے کیونکہ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کا حکم موجود ہے۔حکم میں اصل وجوب ہی ہوتا ہے سوائے اس صورت کے کہ اس (وجوب کے خلاف) کوئی دلیل آ جائے۔ یہ بات اصول کی کتب میں مسلّم طور پر لکھی ہوئی ہے۔ یہاں دلیل وجوب ہی کو مزید پختہ کرتی ہے۔ وہ دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ

فرمان ہے : ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا کر دے گا۔ظاہر ہے کہ اس طرح کی دھمکی کسی واجب کام کے بارے میں ہی دی جا سکتی ہے۔دوسرا یہ کہ صفوں کو برابر کرنے سے مراد یہی ہے کہ کندھے سے کندھا اور پورے پاؤں کے ساتھ پورا پاؤں اچھی طرح ملا لیا جائے کیونکہ صحابہ کرام کو جب صفوں کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔اسی وجہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے وہی زائد الفاظ جو میں نے بیان کیے ہیں ، ذکر کرنے کے بعد فرمایا : اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ (صف بندی کا) مذکورہ کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتا تھا۔صفوں کو قائم اور سیدھا کرنے سے کیا مراد ہے ؟ اس بارے میں اسی حدیث سے مکمل دلیل ملتی ہے۔۔۔افسوس کی بات ہے کہ صفوں کی درستی والی سنت کو اکثر مسلمانوں نے اہمیت نہیں دی بلکہ انہوں نے اسے ضائع کر دیا ہے۔میں نے یہ سنت مسلمانوں کے صرف ایک گروہ اہل حدیث کے پاس دیکھی ہے۔ میں نے ان کو مکہ مکرمہ میں ۱۳۶۸ھ کو دیکھا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری سنتوں کی طرح اس سنت کے بھی شیدائی تھے۔ان کے علاوہ دوسرے لوگ مثلاً مذاہبِ اربعہ کے پیروکار حتی کہ میں ان میں سے حنبلی لوگوں کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتا۔ ان لوگوں نے اس سنت کو بالکل بھلا دیا ہے۔ انہوں نے مسلسل اس سنت کو چھوڑا ہوا ہے اور اس سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مذاہب کی اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ دو اشخاص کے پاؤں میں چار انگلیوں کے برابر فاصلہ رکھنا سنت ہے۔اگر اس سے زیادہ فاصلہ ہوگا تو مکروہ ہوگا، اس کی تفصیل الفقه علی المذاهب الأربعة میں موجود ہے۔اس مقرر کردہ فاصلے کی سنتِ رسول میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہ محض اپنی رائے ہے۔ اگر اسے صحیح مانا جائے تو ضروری ہے کہ اسے امام اور منفرد کے لیے خاص کیا جائے (جماعت کی صورت میں مقتدیوں کے درمیان یہ فاصلہ نہ کیا جائے) تاکہ صحیح سنت کے خلاف نہ ہو۔ اصولی قواعد کا یہی تقاضا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ مسلمان خصوصاً مساجد کے ائمہ کرام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع

کے شیدائی ہیں اور آپ ﷺ کی سنت کو زندہ کرنے کی فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں ، میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس سنت پر خود بھی عمل کریں ، اس کے شیدائی بنیں اور لوگوں کو اس کی دعوت بھی دیں حتی کہ سب لوگ اس پر عمل شروع کر دیں۔ اسی طرح مسلمان رسول اللہ ﷺ کی اس وعید سے محفوظ رہ سکیں گے کہ : ((أو ليخالفنّ الله بين قلوبكم)) (صفوں کو درست کرو) ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔'' (سلسلة الاحاديث الصحيحة للالباني : ۴۰/۱، ۴۱، تحت الحديث : ۲۳)

⑱ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب ، وسدّوا الخلل ، ولينوا بأيدى إخوانكم ، ولا تذروا مزجات للشيطان ، ومن وصل صفّا وصله الله ، ومن قطع صفّا قطعه الله)) . ''تم صفوں کو درست کرو ، کندھوں کو برابر کرو، خالی جگہ کو پُر کرو ، اپنے بھائیوں (ائمہ مساجد) کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لیے خالی جگہیں نہ چھوڑو۔ جو شخص صف کو ملائے گا ، اللہ تعالیٰ اسے (اپنی رحمت کے ساتھ) ملائے گا اور جو شخص صف کو کاٹے گا ، اللہ تعالیٰ اسے (اپنی رحمت سے) کاٹ دے گا۔''

(مسند الامام احمد : ۹۸/۲، سنن ابی داوٗد : ۶۶۶، سنن النسائی : ۸۲۰ مختصرا، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۵۴۹) نے ''صحیح'' کہا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ (۲۱۳/۱) نے اسے امام مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۸۴۹۔۹۱۱ھ) اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دینے کے بعد فرماتے ہیں :

ومعنٰى ((قطعه الله)) ، أى من الخير والفضيلة والأجر الجزيل .

''صف توڑنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ کاٹ دے گا ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اسے بھلائی ، فضیلت اور اجر عظیم سے محروم کر دے گا۔'' (الحاوی للفتاوی للسیوطی : ۵۲/۱)

محدث البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فالحقّ أنّ سدّ الفرجة واجب ما أمكن .
''حق بات یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو خالی جگہ کو پُر کرنا فرض ہے۔''

(السلسلة الضعيفة للالبانی : ٣٢٣/٣)

⑲ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((راصّوا صفوفكم ، وقاربوا بينها ، وحاذوا بالأعناق ، فوالّذی نفس محمّد بيده! إنّی لأری الشياطين تدخل من خلل الصفّ كأنّها الحذف)) .

''اپنی صفوں کو ایسے ملایا کرو جیسے عمارت کی اینٹیں ملی ہوتی ہیں، ان کو قریب قریب کیا کرو اور اپنی گردنوں کو برابر رکھا کرو۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! میں شیطانوں کو صف کی خالی جگہوں میں سے داخل ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں، جیسے وہ بکری کے بچے ہوں۔''(سنن ابی داوٗد : ٦٦٧، السنن الکبرٰی للبیهقی : ١٠٠/٣، وسندهٗ صحیحٌ)

امام ابن خزیمہ (١٥٤٥) اور امام ابن حبان (٢١٦٦) رحمہما اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔سنن النسائی میں قتادہ بن دعامہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

رسول اللہ فداہ ابی وامی وروحی ونفسی صف بندی کے بارے میں کس قدر تاکید فرما رہے ہیں کہ صفوں کے درمیان خلا کو پُر کیا کرو، لیکن اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور کہلانے والے غور ہی نہیں کرتے ! بلکہ احادیث کا مذاق اڑاتے ہیں کہ کیا ٹانگوں کے درمیان سے گزر کر شیطان صف میں نہیں گھس سکتا؟ (العیاذ باللہ!)

حافظ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قال الشرّاح : المراد بأقيموا ، اعتدلوا ، وتراصّوا ، تلاصقوا بلا خلل . ''شارحین کا کہنا ہے کہ صفوں کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے ہو کر کھڑے ہو جاؤ اور صفوں کا اچھی طرح ملانے سے مراد یہ ہے کہ خلل چھوڑے بغیر مل کر کھڑے ہو جاؤ۔''(الحاوی للفتاوی للسیوطی : ٥٢/١)

⑳ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سوّوا صفوفكم ،

فإنّ الشيطان يتخلّلها كالحذف ، أو كأولاد الحذف . ''صفوں کو درست کرو کیونکہ شیطان ان میں بکری یا بکری کے بچوں کی طرح داخل ہو جاتا ہے۔''

(المعجم الكبير للطبراني : ٢٧٥/٩، ح : ٩٣٧٦، وسندهٗ صحيحٌ)

نیز فرماتے ہیں: لقد رأيتنا ، وما تقام الصلاة حتّى تكامل بنا الصفوف .
''مجھے یاد ہے کہ اس وقت تک نماز کھڑی نہیں کی جاتی تھی جب تک ہمارے ساتھ صفیں مکمل نہ ہو جاتیں۔''(مسند الامام احمد : ٤١٩/١، وسندهٗ صحيحٌ)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ورجاله رجال الصحيح . ''اس روایت کے راوی صحیح بخاری والے راوی ہیں۔''(مجمع الزوائد : ٩٠/٢)

حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔(الحاوی للفتاوی : ٥٣/١)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: سوّوا صفوفكم .
''اپنی صفوں کو سیدھا کیا کرو۔''(مصنف ابن ابی شیبة : ٣٥١/١، وسندهٗ صحيحٌ)

(٢١) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فإذا قمتم إلى الصلاة فاعدلوا صفوفكم ، وأقيموها ، وسدّوا الخلل ، فإنّي أراكم من وراء ظهري)) . ''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنی صفوں کو سیدھا و درست کرو اور خالی جگہیں پُر کرو۔ میں تمہیں اپنے پیچھے سے (بھی) دیکھتا ہوں۔''

(صحيح ابن خزيمة : ١٥٤٨، صحيح ابن حبان : ٤٠١، واللفظ لهٗ، وسندهٗ صحيح)

سعودی عرب کے مفتیٔ اعظم، عظیم فقیہ علامہ ابنِ باز رحمہ اللہ (١٣٣٠۔١٤٢٠ھ) فرماتے ہیں:

والمشروع لمن رأى ذلك أن ينصح إخوانه ويأمرهم بسدّ الفرج ، وعلى الأئمّة أن يأمروا الجماعة بذلك تأسّيا بالنبيّ صلّى الله عليه وسلّم وتنفيذا لأمره صلّى الله عليه وسلّم بذلك . ''جو شخص یہ (صف بندی میں سستی) دیکھے اسے چاہیے کہ وہ اپنے بھائیوں کو نصیحت کرے اور انہیں خالی جگہیں ختم کرنے کا حکم دے۔ ائمہ مساجد کا فرض ہے کہ وہ جماعت کو اس کا حکم دے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

اقتداء کریں اور یوں آپ ﷺ کے حکم کو نافذ کریں۔'' (مجموع فتاوی ابن باز : ۱۲/۲۰۳)

ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں : **كنت فيمن يقيم عمر بن الخطّاب قدّامه لإقامة الصفّ .** ''میں ان لوگوں میں سے تھا جنہیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صفیں سیدھی کرانے کے لیے اپنے آگے کھڑا کرتے تھے۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۱/۳۵۱، وسندهٗ صحیحٌ)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے : **لم يكن يكبّر بالصلاة للناس حتّى تعدل الصفوف ، ويؤكّل بذلك رجالا .**

''آپ رضی اللہ عنہ اس وقت تک لوگوں کو نماز پڑھانا شروع نہ کرتے جب تک ان کی صفیں درست نہ ہو جاتیں۔اس کام کے لیے آپ نے کئی آدمیوں کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی۔''

(جزء ابی الجهم : ۲۱، وسندهٗ صحیحٌ)

(۲۲) سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے :

استووا ، وحاذوا بين المناكب ، فإنّ من تمام الصلاة إقامة الصفّ ، قال (مالك بن أبي عام) : وكان لا يكبّر حتّى يأتيه رجال قد وكّلهم بإقامة الصفوف .

''سیدھے ہو جاؤ، کندھوں کو برابر کرلو کیونکہ صف کو سیدھا کرنے سے نماز مکمل ہو گی۔ مالک بن ابی عامر بیان کرتے ہیں کہ آپ اس وقت تک تکبیر تحریمہ نہ کہتے جب تک وہ لوگ آپ کے پاس نہ آ جاتے جنہیں آپ نے صفوں کو درست کرنے کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۱/۳۵۱، وسندهٗ صحیحٌ)

(۲۳) سوید بن غفلہ تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں : **كان بلال رضي الله عنه يسوّى مناكبنا ، ويضرب أقدامنا لإقامة الصفّ .** ''بلال رضی اللہ عنہ ہمارے کندھوں کو برابر کرتے اور صف کو درست کرنے کے لیے ہمارے پاؤں پر مارتے تھے۔''

(المطالب العالية لابن حجر : ۴۲۸، وسندهٗ صحیحٌ)

قارئین کرام ! صفوں کو مکمل کرنا ، ان کو سیدھا کرنا ، ان کے درمیان خالی جگہوں کو پُر

کرنا اورصفوں میں مل کر کھڑے ہونا ضروری ہے۔ اس بارے میں ہم نے صحیح احادیث کا مجموعہ پیش کر دیا ہے۔ خود اندازہ کریں کہ امت ان احادیث کو کس طرح نظر انداز کر رہی ہے۔ مسلمانوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ صف کے درمیان خالی جگہ چھوڑنا انتہائی مکروہ فعل ہے۔ اس پر شدید وعید آئی ہے۔ اس سے جماعت کی فضیلت ضائع ہو جاتی ہے۔ بلکہ اگر صف میں لوگ مل کر کھڑے نہ ہوں اور درمیان میں خالی جگہ ہوتو وہ صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہیں۔ یاد رکھیں کہ صف کے پیچھے اکیلے شخص کی نماز نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کو رسول اللہ ﷺ نے نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

(۲۴) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إنّ اللّٰه وملائكته يصلّون على الذين يصلون الصفوف)) .

''جو لوگ صفوں کو ملاتے ہیں ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرتا ہے اور فرشتے ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔''(صحيح ابن خزيمة : ١٥٥٠، وسندهٗ حسنٌ، المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٢١٤/١، وقال : صحيح على شرط مسلم، ووافقه الذهبي وأقرّه المنذري : ١٧٤/١)

صفوں کو ملانے والوں کے لیے رسول اللہ ﷺ نے دُعا بھی کی ہے کہ:

((من وصل صفّا وصله اللّٰه)) . ''جو شخص صف کو ملائے گا ، اللہ تعالیٰ اسے (اپنی رحمت کے ساتھ) جوڑے۔''(مسند الامام احمد : ٩٨/٢، سنن ابی داوٗد : ٦٦٦، سنن النسائی : ٨٢٠، وسندهٗ صحيحٌ)

فائدہ : مشہور مفسر امام اسماعیل بن عبد الرحمٰن سدی رحمہ اللہ فرمانِ باری تعالیٰ : ﴿وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ﴾ (الصافات : ١٦٥) کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

((للصلاة)) . ''یعنی ہم نماز کے لیے صفیں بنانے والے ہیں۔''

(تفسير الطبری : ١٣٥/٢٣، وسندهٗ حسنٌ)